اسلامی تاریخ و تہذیب سے متعلق مغربی رویہ: مسلم اہل علم کی تصانیف کا مطالعہ

(Western Attitudes towards Islamic History and Civilization: A Study of the Writings of Muslim Scholars)

Amir Sohail

Doctoral candidate Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala

Dr. Hafiz Mahmood Akhtar

Chairman Department of Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala

Abstract

The bulk of writings by Western scholars tend to present a negative and distorted picture of various aspects of Islamic civilization. By offering twisted interpretations of historical facts, these writing draw such a hateful image of Islamic history that engenders skepticism and a tendency of self-abnegation among their gullible modern Muslim readers. Muslim scholars have made valuable efforts that aim at correcting the misconceptions spread through this kind of literature. They represent a variety of of perspectives and argumentative approaches to refute the prejudiced viewpoints of Western writers. The present article seeks to briefly explore as to what extent the efforts of Muslim scholars have been successful in exposing the shallowness of Western narratives and bringing to light the fallacies inherent in their style of reasoning and argumentation.

Key Words: Islamic civilization, Western attitude, Muslim writers, response

تمہید

مغربی اہلِ فکر و قلم کے ایک بڑے طبقے نے اسلامی تہذیب و تاریخ کے بارے میں منفی، تنقیصی اور استخفافی انداز فکر اختیار کرتے ہوئے بہت سے حقائق کو مسخ کر کے پیش کیا۔ مسلمان اہلِ علم نے ان منفی کاوشوں کو مختلف طریقوں سے رد کیا اور مسخ شدہ تاریخی حقائق کو اپنی اصل روح اور شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر مسلم اہلِ علم نے اسلامی تہذیب کے امتیازی خصائص بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یہ ایک منفرد تہذیب ہے۔ اہل مغرب اپنے مذہب اور اپنے ذہنی تناظر میں ہی جب اسے دیکھتے ہیں تو انھیں اس تہذیب کو سمجھنے میں بعض اوقات مغالطہ لگ جاتا ہے اور بعض اوقات وہ دانستہ اس کے بارے میں تنقیصی رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض نے تاریخی شواہد پیش کر کے ثابت کیا کہ مسلمانوں نے ماضی میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں کہ کوئی اور تہذیب ایسا صدیوں میں نہیں کر پائی۔ نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی قوم، جو ماضی میں کبھی علم کے قریب بھی نہیں گئی تھی، اعلان نبوت کے تیئیس برس کے مختصر عرصہ میں اسے دنیا کو علم سکھانے والا بنا دیا۔ جرم پر فخر کرنے والی قوم کو دوسروں کی عزت، جان اور مال کا محافظ بنا دیا، اسلام نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول اور زندہ رہنے کے لیے طاقت ور ہونے کے معیار کی بجائے یہ اصول دیا کہ جو چیز نفع رساں ہوتی ہے، وہی باقی رہتی ہے اور بے مقصد چیز ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مسلمانوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ ان کا دین سائنس مخالف ہے تو مسلمان علما نے اسلام کی سائنسی روح کو اجاگر کر کے مغرب کے نقطہ نگاہ کا رد کیا۔ اگر کہا گیا کہ مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے تہذیب کو نقصان ہی پہنچایا، مسلم علما نے شواہد سے ثابت کیا کہ انھوں نے تہذیبوں کے ارتقا کے اصول انسانوں کو دیے۔ عورت کی حیثیت کے حوالے سے اگر بدگمانیاں پیدا کی گئیں تو مسلمان علما نے عورت کی حیثیت اور مقام کی ایسی وضاحت کی کہ اس کے حقوق کا تعین بھی ہو گیا اور اس کے احترام میں بھی فرق نہ آیا۔ اگر عورت کے پردے کو عورت کے ترقی کرنے میں رکاوٹ قرار دیا تو مسلمان علما نے ثابت کیا کہ پردہ کسی طرح بھی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ زیر نظر مضمون کا بنیادی مقصد اسی تناظر میں مختلف کتب میں بیان شدہ ان دلائل و شواہد کو منظر عام پر لانا ہے، جو اہل مغرب کے نقطہ نگاہ کو غلط قرار دینے کے سلسلے میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے اہم متفرق پہلوؤں سے متعلق مسلم علما کے افکار نقل کیے گئے ہیں، اس کے بعد چند نمایاں علما کے مجموعی افکار پیش کیے گئے ہیں اور آخر میں خود مغربی اہلِ علم ہی کی طرف سے ان مغربی اعتراضات پر نقد کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

اہم متفرق پہلو

تہذیب کے عناصرِ ترکیبی

کسی قوم کے علوم و آداب، فنون لطیفہ، معاشرت کے طور اطوار، اس کی صنعتیں، ترقیاں، انداز تمدن اور طرز سیاست کو تہذیب کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ان چیزوں کو تہذیب نہیں کہتے، یہ تہذیب کے نتائج و ظواہر ہیں، تہذیب کے

درخت کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں سے متعین نہیں ہوتی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ جس چیز کو تہذیب کہاجاتا ہے اس کے پانچ عناصر ترکیبی ہیں: 1۔ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کا تصور کیاہے؟2۔ زندگی کا نصب العین کیاہے؟3۔ اساسی عقائد و نظریات کیا ہیں؟4۔افراد کی تربیت کے خطوط کیا ہیں؟5۔ اجتماعی نظام کیاہے؟ ان پانچ سوالات کے حوالے سے اسلامی نقطہ نگاہ بیان کرتے ہیں مولانا واضح کرتے ہیں کہ ان پانچ پہلوؤں سے اسلامی تہذیب اور ما قبل اسلام کی تہذیبوں میں بنیادی فرق ہے، یہ فرق بنیادی نوعیت کا ہے محض جزئی فرق نہیں۔قرآن وحدیث سے اشتہاد کرتے ہوئے انھوں نے یہ فرق واضح کیا ہے کہ اسلامی تہذیب اپنی روح، مزاج، مقاصد، طرز عمل میں پہلی تہذیبوں سے بالکل مختلف ہے۔مولانا مودودی نے ان تمام پہلوؤں سے اسلام کے پورے نظام کی وضاحت آیات کے حوالہ سے کی ہے کہ عقائد، عبادات،فرد کی تربیت،اخلاقیات،اجتماعی اصول وضوابط، رسوم ورواج میں اسلام قدیم تہذیبوں سے یکسر مختلف ہے بلکہ ان سے بالکل الٹ ہے۔[1]شام کے معروف سکالر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اسلامی تہذیب کے نمایاں خدوخال قرآن وحدیث سے بیان کرنے کے بعد تاریخ اسلام سے مسلمان حکومتوں کے تحت ان کارہائے نمایاں کاذکر کیاہے جوان دینی تعلیمات کے زیر اثر سرانجام دیئے گئےاور جن کی بنیاد خالص انسانیت کی خدمت پر تھی۔ ان کارناموں اور حکمت عملی سے کسی مذہبی، نسلی یاعلاقائی امتیاز کے بغیر تمام مذاہب کے لوگوں نے فائدے اٹھائے۔ان کارہائے نمایاں کے نتیجے میں انسانیت کو فائدہ بھی حاصل ہوااور تہذیبی ارتقا بھی ہوا۔ مسلمانوں کے زیراہتمام علوم، انسانی اقدار میں ترقی بھی ہوئی انسانی زندگی کے معیار میں بھی بلندی آئی۔[2]

مغرب والوں کو اسلامی تہذیب کو سمجھنے میں کہیں تو غلط فہمی ہوئی اور کہیں انھوں نے دانستہ حقائق کو تسلیم کرنے سے آنکھیں بند کرلیں۔ مسلمان علمانے ان میں سے کسی بھی رویے کا جواب اس طرح سے دیا ہے کہ اسلامی تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے جس میں مثبت اور نفع رساں پہلو ہی غالب ہے، اس کامزاج منفی کی بجائے مثبت ہے، وہ جمود کی بجائے تحرک، کسل مندی کی بجائے جرات اقدام، نقصان پہنچانے کی بجائے دوسرے کے فائدے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنے کاجذبہ پیدا کرتاہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب میں تعاون علی الخیر،احسان، ایثار،نصیحت یعنی دوسروں کی خیر خواہی پیدا کرتاہے۔اس کے لیے سورۃالمائدہ کی آیت نمبر2، سورۃالنحل کی آیت نمبر90، سورۃالنساکی آیت نمبر36، سورۃالحشر کی آیت نمبر9 کی تفسیر کا مطالعہ کیاجاسکتاہے۔اسلام کی روح میں افادیت کا پہلو موجود ہے، مثلاً قرآن نے ماضی کے واقعات کو محض دلچسپی کے لیے سننے سنانے کی بجائے انہیں بھی عبرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا۔تذکیر بایام اللہ قرآن کے پانچ بنیادی مضامین میں سے ایک ہے۔اگر کوئی شخص اس کے باوجود یہ خیال کرے کہ اسلامی تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے جو اس سے قبل کی تہذیبوں سے حاصل کرکے تشکیل پائی ہے تو ہر کوئی اندازہ کرسکتاہے کہ یہ چیزیں اسلام میں کہاں موجود ہیں۔

---

[1]مودودی،اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی،33 تا 111 ۔

[2]الدکتور مصطفیٰ سباعی،اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مترجمہ۔ معروف شاہ شیرازی(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز،س۔ن)،3۔

اسلامی تہذیب کا جداگانہ تشخص

جن مسلم مفکرین نے اسلامی تہذیب کی اصل روح اور مزاج اور اس کی بنیادوں پر روشنی ڈالی اور اس میں انھوں نے دلائل و شواہد سے ثابت کیا کہ اسلامی تہذیب کا اپنا تشخص اور پہچان ہے۔ وہ محض دعوے کی حد تک نہیں بلکہ حقائق کی بنیاد پر اس کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ یہ دیگر تہذیبوں سے مکمل طور جداگانہ مزاج رکھتی ہے۔ ان کتابوں میں ایک مولانا محمد تقی امینی کی کتاب تہذیب کی جدید تشکیل ہے اس کتاب میں مصنف نے قدیم تہذیبوں کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے کہ اس کی بنیادیں غیر متوازن اصولوں پر مبنی ہیں اس کے بعد اسلامی تہذیب کی بنیادوں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا تقی امینی ایک بیدار مغز عالم تھے۔ ان کی متعدد کتابوں میں مستشرقین کے خیالات کا مکمل رد کرنے کے لیے مدلل مواد موجود ہے کہ اسلامی تہذیب نے نہ کبھی تہذیبی ارتقا کی مخالفت کی نہ اس ارتقا میں رکاوٹ پیدا کی بلکہ تہذیبی ارتقا کی راہیں دکھائیں، خود اہل مغرب میں سے ان خدمات کا اعتراف بھی کیا۔[3] وحیدالدین خان کی فکر کے بارے میں اگرچہ دور حاضر میں بہت سے تحفظات پیدا ہو چکے ہیں، لیکن انھوں نے عظمت اسلام نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے اسلام کی فکری اور تاریخی عظمت اور اس کے طریق زندگی کے امتیازی اوصاف بیان کیے ہیں۔ ان کے مطابق اسلام کی سب سے بڑی طاقت اس کی فکری و نظریاتی برتری ہے، ایک طرف وہ اہل ایمان کو اس اعلیٰ ذہنی سطح پر جینے کے قابل بناتا ہے، جس سے زیادہ اعلیٰ ذہنی سطح اس دنیا میں کوئی نہیں۔ دوسری طرف موجودہ مسابقت کی دنیا میں وہ اہل ایمان کی ابدی برتری کی ضمانت ہے، اگر کچھ دوسری قومیں سپر پاور ہیں تو اسلام نظریاتی سپر پاور ہے اور نظریاتی فوقیت بلاشبہ ہر دوسرے فوقیت سے زیادہ عظیم ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلامی فکر کو دیگر نظام حیائے فکر پر فوقیت حاصل ہے، اسلامی عقائد، قرآن مجید، نظام عبادات، نظام اخلاق اس کی اقدار، اس کا تصور علم بجا طور پر باقی مذاہب سے بلند و بالا ہے۔ مولانا کا انداز استدلال خالص عقلی و منطقی اور سائنسی ہے کہ کوئی بھی شخص جو غیر جانب داری سے بالاتر فکر کا انتخاب کرنا چاہے تو وہ میرٹ کی بنیاد پر اسلامی فکر ہی کو بالاتر قرار دے گا۔ وحیدالدین خان نے اسلامی عقائد اور فکری نظام کو خالص سائنسی بنیادوں پر بھی ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سائنس کی روح در حقیقت ایک ہی ہے، سائنس کا تعلق مادے سے ہے اور اسلام ایک دین ہے جو انسان کی مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضوں کی بھی تکمیل کرتا ہے۔[4]

اسلامی تاریخ کو چند مسلمان خلفا تک محدود کرنے کی غلط فہمی کا رد

اسلامی تاریخ و تہذیب کی اصل قدر و قیمت اور مقام کا استخفاف کرتے ہوئے یہ تاثر عام کیا گیا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد معاشرے میں کہیں اسلامی تعلیمات کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ حکومت، ملوکیت میں بدل گئی، خلفاء دنیا دار بن

[3] محمد تقی امینی، تہذیب کی جدید تشکیل (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1992ء)، 175۔

[4] وحیدالدین خان، عظمت اسلام (لاہور: ملک اینڈ کمپنی، 1998ء)، 6۔

گئے،ان کا مقصد زندگی دنیا کی سہولتوں سے عیاشی پر مبنی زندگی گزارنا تھا۔ان میں جانشینی کی لڑائیاں جاری ہو گئیں، اسلام حکومتی سطح پر نافذ نہ کیا گیا۔ بعض کتب میں یہ لکھا ہے کہ یہ خلفاء سرکاری خزانہ ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور درباروں میں ایسے عناصر شامل ہو گئے تھے جن کا آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ خلفاء اسلامی طرز زندگی سے دور ہو گئے تھے۔ اس طرح کے پروپیگنڈہ کو خلفاء بنی امیہ اور بنو عباس کی ذاتی زندگیوں سے تقویت حاصل ہوئی لیکن اگر تھوڑی سی توجہ اس طرف مبذول کی جائے کہ چند لوگوں یعنی خلفاء کے طرز زندگی کو بنوامیہ اور بنو عباس کے دور کی مکمل زندگی سمجھ لیا گیا۔ اگر فرض کیا جائے کہ پہلی صدی ہجری کے بعد خلفاء دنیا دار بن گئے تو یہ بھی دیکھا جائے کہ اصل زندگی یعنی اس وقت کا معاشرہ تو مکمل طور پر اسلامی تھا۔ انہی ادوار میں حدیث، اصول حدیث، تدوین حدیث اور انتخاب حدیث کا کام ہوا۔ اسی دور میں مؤطا امام اور صحاح ستہ اور اس سے قبل اور بعد کی وہ کتب حدیث مدون ہوئیں جو آج تک ہمارا سرمایہ حدیث ہے، پورے کا پورا معاشرہ قرآن اور حدیث کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اسی دور میں فقہ اسلامی کے چاروں ائمہ نے اپنی اپنی فقہ مدون کی۔ فقہ اور قانون سازی کے ماہرین سے یہ معاشرہ بھرا ہوا تھا، حدیث و فقہ کے ان آئمہ کے گرد سارا معاشرہ جمع تھا۔ لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز و محور یہی علماء تھے اسی زمانے سے متصل دور میں تمام تفسیروں کی ماں تفسیر طبری معرض تحریر میں آئی جو قرآن سے متعلق علوم نبوی ﷺ، علوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علوم تابعین کا مجموعہ تھی۔ اسی بنیادی منبع سے بعد کی تفسیروں نے راہنمائی حاصل کی، معاشرے کے افراد تقویٰ کے اعلیٰ نمونہ پر تھے، یہی وہ دور تھا جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان موجود ہے خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔[5]

پردے سے متعلق مغربی مفکرین کے افکار کا محاکمہ

مریم جمیلہ نے اپنی کتابوں میں اسلامی تہذیب اور اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اسلامی تہذیب کے لیے نیک نامی اور اس کے حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے، وہ اس سے قبل یہودی تھیں۔اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں اسلامی تہذیب وتاریخ کی عظمت اور اس ضمن میں مغربی غلط فہمیوں کے ازالے کے حوالے سے متعدد کتب لکھیں۔ "اسلام : ایک نظریہ ، ایک تحریک " میں انہوں نے اسلامی تہذیب کا مؤثر دفاع بھی کیا اور اس کی خوبیوں کو وضاحت سے بیان کیا۔ خصوصی طور پر پردہ کی ضرورت واہمیت کو عورت کے لیے ایک نعمت قرار دیا۔ اسے عورت کی فطری ضرورت ثابت کیا اور واضح کیا کہ پردہ عورت کی عزت و ناموس کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے اس کے علاوہ اسلامی تہذیب کے نمایاں خدوخال کے بارے میں بھی کھل کر واضح کیا کہ اس میں انسانیت کے ارتقا کی قوت موجود ہے، اس میں ایسی خصوصیات موجود ہیں کہ اسے ہی بالآخر انسانیت کو قبول کرنا پڑے گا۔ مولانا مودودی کی کتاب پردہ بھی اس سلسلے میں بہت اہم دستاویز ہے کہ اس کے ذریعے اللہ نے عورت کو تحفظ فراہم کیا ہے۔[6]

---

[5] مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح المسلم، کتاب : فضائل الصحابہ، باب : فضل الصحابہ ثم الذین یلونھم، رقم الحدیث 6469۔

[6] Mariam Jamila, Islam in Theory and Practice (Lahore: Urdu Bazar), 140.

تقلیدِ محض کے علمی مغالطے کا جواب

سید امیر علی نے واضح کیا کہ پیغمبر اسلام کا ایک محبوب موضوع علم کی قدر و منزلت تھا، عربوں کے ہاں شاعری، خطابت اور نجوم ہی اسلام سے قبل لوگوں کے محبوب مشغلے تھے لیکن ادب اور سائنس کے دلدادہ لوگوں کا فقدان تھا۔ ہادی اسلام کی تلقین نے عرب قوم کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگا کر ان میں ایک نئی تحریک پیدا کر دی، آپ کی زندگی مبارک کے اندر ہی ایک ادارے کی داغ بیل پڑ چکی تھی جس کی بنیاد پر آئندہ برسوں میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ (یعنی صفہ کا ادارہ) یہاں معلم اسلام بنفس نفیس صفائی قلب اور روحانی پاکیزگی کی تعلیم دیتے تھے۔[7] علوم طبیعیہ کی نشو و نما نے مسلمانوں کی فطری طباعی کو ایک نئی جہت بخشی، مفکرین کی ایک کثیر تعداد پیدا ہو گئی، انھیں حکما کا خطاب دیا گیا، ان لوگوں کا طریق استدلال آج کل کی سائنسی کے طریق استدلال کے مماثل تھا، اگرچہ تعصب اور جہالت نے انہیں کافر، ملحد اور زندیق جیسے اہانت آمیز القاب دے کر مطعون کیا لیکن تاریخی صداقت شعاری کو یہ تسلیم کرتے ہی بن آتی ہے کہ ان لوگوں نے بھی اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا نہ انہوں نے کبھی کوئی ایسا نظریہ پیش کیا جس کی سند انہیں بانی اسلام ﷺ یا آپ کے ابتدائی جانشینوں کے اقوال میں نہ ملی۔[8]

ایسی کتابوں کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے جن میں اسلام کی سائنسی روح بیان کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتاب "قرآن اور علم جدید" اس سلسلے کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔ ان کا انداز بھی علامہ اقبال کی فکر کی مانند ہے انھوں نے بھی یہی واضح کیا ہے کہ اسلام اور فکری جمود دو متضاد چیزیں ہیں، اس مذکورہ کتاب کے ساتھ اگر ان کی دو اور تصانیف اسلام اور سائنس (جو ان کا ایم فل کا مقالہ ہے) اور اسلامی تحقیق کا مدعا، مقصود اور طریقہ کار بھی ہے جو اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جس میں استشراقی منہج تحقیق اور اسلامی منہج تحقیق کے مقاصد اور طریق کار کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے کہ اسلامی تحقیق میں قرآن و حدیث اور مسلمان علماء کے اجتہادی اور فکری کام کو بنیاد بنا کر آئندہ اور موجودہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے جبکہ استشراقی تحقیق محض کسی قوم کے آثار قدیمہ، کسی زمانے کے لوگوں کی عادات و اطوار، رسوم و رواج کا کھوج لگانے کے گرد ہی چکر کاٹتی ہے۔ اس انداز تحقیق میں کوئی اسلامیات میں تحقیق کر رہا ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی کسی کتاب کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ البیرونی یا کسی سائنس دان پر تحقیقات ہو رہی ہوں اور ساری تحقیق اسی کے گرد گردش کرتی رہے کہ البیرونی کو البیرونی کیوں کہتے ہیں؟ لوگوں کے اقوال جمع کیے جائیں پھر ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ظن و گمان کی بنیاد پر کسی ایک قول کو اختیار کر لیا جائے۔ البیرونی کہلانے کی وجہ معلوم ہونے سے اس کی کون سی خدمات منظر عام پر آئیں۔[9] برصغیر کے مفکرین کی فکر کو ہم اجتہادی روح کا نمائندہ

[7] Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam (Lahore: Islamic Book Service, 1995),346.

[8] Ameer Ali, The Spirit of Islam,397-398.

[9] محمد رفیع الدین، اسلامی تحقیق کا مدعا، مفہوم اور طریق کار (لاہور: قرآن اکیڈمی، س۔ن)، 7 تا 11۔

قرار دے سکتے ہیں اور ان کی فکر میں یہ رجحان موجود ہے عصری تقاضوں کے مطابق تجدید فکر کی اشد ضرورت ہے ان مفکرین میں مولانا مناظر احسن گیلانی شامل ہیں ان کی کتاب " مقدمہ تدوین فقہ " بڑی فکر انگیز کتاب ہے اور اس کتاب کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں میں فکری جمود پایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے علمی وفکری کارناموں اور تہذیب انسانی کے ارتقاء میں مسلمانوں کے کردار کی تنقیص کرتے اور استخفاف کرتے ہوئے ان کی خدمات کو نہایت منفی انداز سے پیش کیا۔ مسلم علمانے دفاع اسلام اور اسلامی تہذیب وتاریخ پر مخالفین کے اعتراضات واشکالات کے ازالے کے لیے مسلمانوں کے علمی ودینی ورثے کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس بات کارد دلائل وشواہد اور اس قدیم علمی ورثے کو پیش کرتے ہوئے کیا کہ یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ مسلمان تہذیب وتمدن کے مخالف ہیں اور مسلمان علمی وفکری اعتبار سے اہل روم ویونان کے محض مقلد ہیں اور انہوں نے کوئی تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے حالات میں سب سے تکلیف دہ وہ بات یہ تھی کہ ان کے معاشی وسائل چھین لیے گئے، انگریزی زبان نے عربی وفارسی کی جگہ لے لی، مسلمانوں کو شکست کا احساس بھی تھا اور ان کے اوپر احساس محرومی بھی طاری تھا، ان حالات میں ہندوستان میں علمی، فکری ادارے قائم ہوئے جن میں مسلمانوں کے علمی ورثے پر مشتمل کتابوں کے تراجم بھی کروائے گئے اور اسلامی تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کی کوششیں ہوئیں انہیں ناکام بنانے کے لیے کوششوں کا سدباب کیا گیا۔ ان اداروں میں ندوۃ العلماء، دارالمصنّفین اعظم گڑھ اور دیگر ادارے شامل ہیں۔ مسلمانوں کے علمی ورثے کے احیاء کے حوالے سے مولانا عبدالحیی لکھنوی کی کتاب "نزھۃ الخواطر" اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اس میں مولانا نے برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے متعارف کروانے کے لیے مختلف شعبہ ہائے علم میں ان کے گراں قدر کاموں سے متعارف کروایا ہے، اس کتاب کا اردو ترجمہ "اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں" ہے۔ ترجمہ مولانا ابوالعرفان ندوی نے کیا ہے اس میں ہندوستان میں مسلمانوں کا نصاب تعلیم، علم لسانی میں مسلمانوں کی خدمات، علم تاریخ میں ہندوستان کے علماء کی کتب، فہرست کتب فنون، علماء کے حالات میں کتب، ہندوستانی شعراء، صوفیائے ہندوستان، علم جغرافیہ میں مسلمان علماء کی خدمات، علوم شرعیہ میں ہندوستانی علماء کی خدمات، علم حدیث میں خدمات، کتب وعلمائے تفسیر، صوفیاء کے مختلف سلسلے، علم کلام، علوم عقلیہ، ریاضی، طبیعات، کیمیا، منطق، علم فلکیات اور دیگر علوم کی کتابوں کا تعارف کروایا۔ اس سے مؤلف کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی تراث سے واقف کیا جائے۔[10]

تعدد ازواج اور اس ضمن میں نبوی طرز عمل کے معاشرتی ودینی پہلو

تعدد ازدواج اور نبی کریم ﷺ کے چار سے زیادہ نکاحوں کو بھی اہل مغرب نے نامناسب طور پر پیش کیا۔ کتب سیرت کے علاوہ دیگر کتب میں اس ابہام کا ازالہ مسلمان مفکرین نے عقلی، واقعاتی اور حیاتیاتی وطبّی بنیادوں پر واضح کیا کہ مذکورہ بالا دونوں موضوعات پر اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر زبانی درازی کرنا محض حقائق کو مسخ کرنا ہی

[10] ابوالعرفان ندوی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، س۔ن)، 224۔

ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب (The Spirit of Islam) میں اسلامی تہذیب اور تاریخ کی بہت عمدہ توضیح وتوجیہ کی ہے ان کی اس کتاب میں بالعموم معذرت خواہانہ انداز موجود نہیں ہے، کتاب کو اس تناظر میں بھی دیکھا جانا چاہیے کہ یہ کس دور میں لکھی گئی۔ اس دور میں اسلامی تہذیب پر بے شمار جارحانہ اعتراضات ہو رہے تھے اور سر سید احمد خان کے مکتب فکر نے اسلامی تاریخ وتہذیب کی بڑی معذرت خواہانہ توضیح کی تھی، اس دور میں اس کتاب کا اسلوب قابل تعریف ہے، مصنف نے Spirit یعنی روح کا لفظ ہر باب کے عنوان کے طور پر اختیار کیا ہے۔

مستشرقین نے بہت زیادہ شور مچایا ہے وہ تعدد ازدواج نبوی ہے اس پہلو پر عہد نبوی میں بھی منافقین نے بہت زیادہ زبان درازیاں کیں اور اسی تسلسل کو آج بھی مخالفین قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مسلم مفکرین نے اس زبان درازی کا جواب بڑے مثبت انداز سے دیا، اس موضوع پر لکھے گئے عصر حاضر کے علمی مواد کا جائزہ لیں تو مسلمانوں نے ہر پہلو سے اس سلسلے میں سیرت النبی ﷺ پر لکھی گئی کتب میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا ہے اور الگ سے کتابیں بھی لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں مندرجہ ذیل پہلوؤں سے مسئلے کی تمام جہتوں کی وضاحت کی ہے: 1۔ یہ شادیاں نبی کریم ﷺ نے کسی دنیوی مقصد کے تحت نہیں کیں ازواج مطہرات نے نبی کریم ﷺ کے نمائندہ کے طور پر خواتین سے متعلق مسائل خواتین سمجھائے جو حیاء کی وجہ سے ایک مرد، خواتین کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔ گویا یہ خواتین، خواتین سے متعلقہ مسائل میں نبی کریم ﷺ کی نمائندہ بنیں۔ 2۔ ان خواتین نے نبی کریم ﷺ کی ذاتی اور نجی اندرون خانہ کی زندگی، آپ کی زندگی کا وہ پہلو جس کے بارے میں مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ نہیں جان سکتے تھے، امت کے سامنے پیش کیا۔ ورنہ آپ ﷺ کی اندرون خانہ کی زندگی منظر عام پر نہ آسکتی تھی۔ جب کہ نبی کی حیثیت سے آپ کی ایک ایک عادت امت کے لیے قیامت تک کے لیے نمونہ بنی تھی، تبھی آپ کی سیرت طیبہ کی جامعیت اور عملیت کی خوبی سامنے آسکتی تھی۔ 3۔ آپ ﷺ نے پچیس برس کی عمر سے لے کر انچاس برس کی زندگی تک ایک ہی زوجہ مطہرہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ اگر طبّی اور حیاتیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بھرپور جسمانی صلاحیت کا دور ہوتا ہے۔ 4۔ جس دور میں آپ نے زیادہ شادیاں کیں، وہ انچاس سے تریسٹھ برس کا دور ہے اس عمر مین انسان ادھیڑ عمر کہلاتا ہے۔ 5۔ یہ زمانہ مسلسل جنگوں کا زمانہ ہے اسی دور میں ہجرت ہوئی، مدینہ میں سریات کا یہی زمانہ تھا۔ دو، تین اور پانچ ہجری میں بدر، احد اور احزاب کی جنگیں ہوئیں اس کے بعد صلح حدیبیہ اور فتح مکہ، جنگ حنین ہوئیں اور جنگ تبوک کا مشکل سفر بھی اسی دوران ہوا۔ عام الوفود بھی اسی دورانیہ میں ہوا جب پورے عرب سے وفود نے آکر نبی کریم ﷺ سے مذاکرات کیے اور اسلام لائے۔ 6۔ اسلام کو عالمگیر حیثیت دینے کے لیے دنیا کے حکمرانوں کو خطوط لکھے، اس دوران میں یہود سے فیصلہ کن معاملات بھی ہوئے، منافقین کی شرارتیں، آپ کو سکھ کا سانس نہیں لینے دے رہی تھیں۔ آزمائشوں اور قربانیوں کے اس ماحول میں کون شخص کسی دنیوی مقصد کے لیے شادیاں کر سکتا ہے۔ 7۔ تعدد ازدواج نبوی پر لکھنے والوں نے اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے کہ مکہ میں ان کے سرداروں نے آپ کو واضح طور پر دعوت دی تھی کہ آپ جس

خاتون سے بھی چاہتے ہیں آپ کی شادی کروادیتے ہیں اگر آپ کے سامنے کوئی دینوی مقصد ہوتا تو اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس پیش کش سے بہتر کوئی اور موقع ہو سکتا تھا؟

جہاد

گزشتہ چند برسوں میں جب سے مسلمانوں کے ہاں جہادی عمل شروع ہوا، اس کے بعد جہاد کو بدنام کرنے کے لیے مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ یہ دہشتگرد ہیں اور اسلام کو دہشتگردی کے ساتھ لازم وملزوم کردیا گیا۔اس پس منظر میں مسلمان اپنے فرض سے غافل نہیں ہوئے اور انہوں نے بڑے مؤثر انداز سے اسلام کی امن پسندی، دہشتگردی کی مذمت، جہاد کی حقیقی روح اور اس کے مقاصد پر کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے بڑا قابل قدر لٹریچر فراہم کیا۔ جامعات کی سطح پر اعلیٰ درجہ کی کانفرنسیں اور سیمینارز منعقد ہوئے، کتب لکھی گئیں، مقالات پڑھے گئے۔ یہ مقالات اور کتب اپنے اندر اس قدر دلائل سمیٹے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی جہاد اور امن پسندی کے اسلامی نقطہ نگاہ کو سمجھنا چاہے تو اس کے لیے وافر دلائل موجود ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ صدر موضوعات پر لکھے اور پڑھے گئے مقالات اور کتب پر اعلیٰ تحقیق کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ان کتب ومقالات پر تحقیق کی جائے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ اسلام کے بارے میں یہ منفی پروپیگنڈہ کہ یہ دہشتگردی کی تعلیم دیتا ہے، اسلام کے حقیقی تصور کو نکھار کر پیش کرنے کا ایک ذریعہ بنا ہے اور اس تصور کی تائید ہوتی ہے کہ ہر برائی کے سدباب میں بہت سی اچھائیاں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔اس سلسلے میں جو کتابیں معرض تحریر میں آئی ہیں ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: حکیم محمود احمد ظفر نے "پیغمبر امن" نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک کی اہم مہمات کا معتبر ماخذ کی روشنی میں احاطہ کیا۔ انہوں نے اس بات کا رد کیا کہ اسلام تشدد، جنگ وجدال اور جارحیت کا مذہب ہے، دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل دنیا میں فساد بپا تھا اس کی تعلیمات اور طرز عمل نے تھوڑے ہی عرصہ میں انسانوں کا انداز فکر بدل ڈالا اور فسادی لوگوں کو امن کا محافظ بنادیا۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین نے انسانی بستیاں اجاڑ دی تھیں، اسلام نے ہر شعبہ زندگی میں ایسے احکام دیئے کہ فساد اور چھینا جھپٹی کی بجائے سکون اور امن نے لے لی۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کے بنائے ہوئے استحصالی قوانین سے نجات دلائی جائے اور لوگوں کو عدل فراہم کیا جائے، اللہ کے احکام کو ہر جگہ جاری کر کے ہر طرف ان کی کارفرمائی کو یقینی بنایا جائے۔ انہوں نے مستشرقہ کرن آرم سٹرانگ Karen Armstrong کا بیان نقل کیا ہے کہ اسلام کسی ایسی جنگ کی اجازت نہیں دیتا جس میں انسانیت کی تباہی ہو۔ جنگ کو ظلم کے خاتمے کا ذریعہ بنایا، اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنگ کے مقاصد اور اس کی حدود واخلاقیات کا تعین کیا۔[11] حکیم محمود لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر میں جو جنگیں لڑی ان میں فریقین کے 440 افراد کی زندگیاں کام آئیں، مسلمانوں اور اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی سازش کی سزا میں توراۃ کے حکم کی رو سے قتل ہونے والے بنو

---

[11] ظفر محمود احمد، پیغمبر امن (لاہور: مکی دار الکتب، 2009ء)

قریظہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ہزار گیارہ سو بنتی ہے۔ اس نقصان کے بدلے میں انسانیت کو جو فائدہ ہوا وہ بہت بڑا تھا، اس کے مقابلے میں عالمی جنگوں میں محض قوموں کے احساس برتری کو تسکین دینے کے لیے یا ملک فتح کرنے کے لیے کروڑوں انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیا گیا۔ امن کے لیے نبی کریم ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں واقعی ایک عورت حیرہ سے اکیلی مکہ مکرمہ آئی اور کسی خوف کے بغیر اس نے سفر کیا اس کتاب مین بڑے عالمانہ اور مستند انداز سے عہد نبوی کی ان تمام سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو فساد کے سد باب کے لیے کی گئیں۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے ارد گرد موجود مختلف بتوں کو منہدم کرنے کے لیے افراد اور وفود پہنچے۔ یہ کام اس لیے ضروری تھا کہ نظریاتی اور استدلال کے ذریعے شرک کی بیخ کنی تو ہو گئی اگر شرک کے منابع اور مراکز باقی رکھے جاتے تو شیطان کو انہیں دوبارہ زندہ کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس کتاب میں جو مواد پیش کیا گیا ہے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگیں فساد کے خاتمے کے لیے لڑی گئیں۔ اس میں پچیس مقالات اور تقاریر شامل ہیں۔ مقالہ نگار ان میں ہندوستان کے چوٹی کے علماء شامل ہیں۔ یہ کتاب 457 صفحات پر مشتمل ہے۔ پیغمبر امن حضرت محمد ﷺ از ڈاکٹر حمید اللہ: یہ کتاب اگرچہ 122 صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس میں کتب سیرت کی روشنی میں اعداد و شمار کی مدد سے واضح کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے غزوات و سرایا کا مقصد فساد پھیلانے والوں کا قلع قمع کرنا تھا، جب فساد کا انسداد ہو گیا تو کاروائی ختم کر دی گئی، اگر کسی علاقے کے لوگوں نے فساد نہیں مچایا تو انہیں سکون سے زندگی گزارنے دی گئی، جو قبائل اسلامی حکومت کے تحت امن سے رہے انہیں تمام مذہبی اور سیاسی حقوق دیئے گئے ان کے مقامی مسائل ان کے مذہب اور ان کے روایت کے مطابق طے کیے جاتے رہے۔ ان سے کوئی ایسا مالی ٹیکس وصول نہیں کیا گیا جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ یہ محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر ان سے وصول کیا گیا ہو بلکہ ان غیر مسلموں سے جو ٹیکس وصول کیا گیا اس کی شرح، زکوۃ کی شرح سے کم تھی۔ پھر اگر کوئی غیر مسلم یہ ٹیکس ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو اسے اس سے مستثنیٰ بھی کر دیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس ان کی حفاظت کے صلے میں وصول کیا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ ہر حکومت لوگوں سے ٹیکس وصول کرتی ہے اور اسی ٹیکس سے ریاست کا دفاع کیا جاتا ہے۔ اسلام کے پیغام امن کے حوالے سے ایک کتاب "حضور اکرم پیغمبر امن و سلامتی" ہے جو 1998ء میں فیصل آباد میں منعقد ہونے والے قومی سیرت سیمینار میں پڑھے گئے مقالات پر مشتمل ہے۔ ان میں رواداری، معاشی تحفظ، معاشرتی استحکام، نظام تعلیم جیسے موضوعات پر ملک کے نامور دانشوروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان مقالات کو ڈاکٹر اسحاق قریشی نے مرتب کیا، مقالات کی تعداد 29 ہے۔ مقالہ نگاران میں صاحبزادہ خورشید گیلانی، ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء، ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈاکٹر محمود احمد غازی، مولانا مجاہد الحسینی، ڈاکٹر خالق داد ملک، داکٹر طفیل ہاشمی، ڈاکٹر یوسف فاروقی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر اور بلند پایا کے سکالرز شامل ہیں۔ یہ مقالات بڑے علمی پائے کے ہیں اور مذکورہ بالا موضوعات پر ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ "سیرت رسول اکرم ﷺ اور نظام امن و اصلاح" کے عنوان سے ایک کتاب مقالات پر مشتمل ہے جو پہلی

میلادالنبی کانفرنس زیر اہتمام المصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی میں پیش کیے گئے،ان مقالات میں یہ مقالات پروفیسر محمد شریف سیالوی اور ڈاکٹر محمد سلیم نے مرتب کیے، کتاب میں سولہ مقالات شامل ہیں ان کا بنیادی موضوع نبی کریم ﷺ کی قیام امن کے لیے کوششیں اور تعلیمات ہیں۔ مسلمانوں کو فکری اور نظریاتی اعتبار سے جن تحدیات کا سامنا ہے غالباًان میں سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ یہ تاثر عام کر دیا گیا ہے کہ اس دور میں مذہب کے تحت زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ مذہب انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، یہ ترقی کی روح ختم کرکے آگے بڑھنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے، یہ لوگوں کو تنگ نظری سکھاتا ہے، مذہبی زندگی اختیار کرنا، درحقیقت اپنے آپ کو جمود کا شکار کرنااور اپنے آپ کو ماضی کی طرف دھکیلنا ہے جبکہ وقت اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے کہ اس کی رفتار کا ساتھ نہ دینا اپنے آپ کو وقت اور دنیا سے کاٹ لینا ہے۔ گویا ترقی اور مذہب دونوں کو ایک دوسرے سے متصادم قرار دے دیا گیا ہے، انسانوں کی بہت بڑی تعداد،اسی نظریے کو بوجوہ قبول کرکے مذہب بیزاری میں مبتلا ہوچکی ہے حالانکہ اس مذہب بیزاری کا سبب ان لوگوں کی مذہب کی حقیقی روح سے لاعلمی ہے اور وہ مذہب کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کی زد میں آنے کی وجہ سے ایسا نقطہ نگاہ رکھتے ہیں۔ مغرب میں گزشتہ صدیوں میں ایسی مذہبی حکومتیں قائم رہی ہیں جنہوں نے ہر اس شخص کی گردن اڑا دی جو سائنس اور عقل کی بات کرتا تھا، یہ حکومتیں بادشاہت کے خدائی اختیار کے تحت قائم تھیں، ان حکومتوں نے اسی اختیار کے تحت لوگوں کے حقوق غصب کیے اور کہا گیا کہ جو شخص بادشاہ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت خدا کی اطاعت کرتا اور بادشاہ کی نافرمانی خدا کی نافرمانی قرار دی گئی۔ ان حکومتوں کے تحت ہر ظلم کو مذہب کے نام سے روا رکھا گیا، لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ مذہب ہی عقل اور سائنسی ترقی میں رکاوٹ ہے اور یہی لوگوں پر ہونے والے ظلم کا پشت پناہ ہے بلکہ مذہب اور ظلم مترادف کے طور پر سمجھے جانے لگے۔ جب 1789ء میں انقلاب فرانس برپا ہوا تو لوگوں نے مذہب کا طوق اتار پھینکا کیونکہ یہ نفرت کی جڑ تھا۔[12] جب مغرب میں جمہوری حکومتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے مسلمان ممالک میں بھی اسی تاثر کو بڑے مؤثر انداز سے مقبول عام بنایا کہ مذہب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ اسلامی ملکوں میں یہی سمجھ لیا گیا کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ متصادم نظریے ہیں، مشرق میں بھی مذہب کو ترقی اور سائنس کا دشمن قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ اس موضوع پر کتابوں کی بہت بڑی تعداد معرض تحریر میں آئی کہ مذہب اور سائنس متصادم ہونے کا نظریہ مغرب میں مذہبی حکومت کے رویے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اہل مغرب کا مذہب اگر سائنس کی اجازت نہیں دیتا تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اسلام بھی ایسا ہی کرتا ہے، اسلام تو نہ صرف سائنس پر کوئی قدغن نہیں لگاتا بلکہ اس کی بنیادیں مہیا کرنے والا دین ہے۔[13]

---

[12] اس سلسلے میں جان ولیم ڈریپر کی کتاب A History of the Conflict between Religion and Science کے دسویں باب میں تفصیلات موجود ہیں۔

[13] حافظ محمود اختر، مطالعہ استشراق کے نتائج (لاہور: کتاب سرائے، 2018ء)، 229تا239۔

ڈاکٹر سعود نے اپنی کتاب Islam and Evolution of Science میں بھی سائنس کے شعبہ میں مسلمانوں کی خدمات کو مستشرقین کی جانب سے منفی رنگ دینے کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ مستشرقین نے مسلمانوں کی سائنسی خدمات کو اپنے نام منسوب کرنے کی کوششیں کی ہیں، تاریخ سائنس میں سے مسلمانوں کے ناموں کو دو طریقوں سے خارج کرنے کی کوشش کی۔ ایک اس طرح کہ مسلمانوں کے ناموں کو لاطینی میں بدل دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ سائنس کا مطالعہ کرنے والے شخص کو اس میں سے کہیں بھی کسی مسلمان کا نام نظر نہیں آتا۔ انھوں نے سائنسی طریق کار Scientific Method یعنی سائنسی طریق کار، جسے اختیار کرتے ہوئے سائنسی تحقیقات کی جاتی ہیں اور سائنس میں ترقی وارتقاء ہوتا ہے، اس کے آغاز اور ارتقاء کا سارا کارنامہ اہل مغرب میں راجر بیکن اور فرانسس بیکن کے نام کر دیا حالانکہ خود اہل مغرب میں سے انصاف پسند لوگوں اور خود ان دونوں اشخاص نے اس بات کا واضح اعلان کیا ہے کہ یورپ میں سائنسی طریق کار متعارف کروانے والے مسلمان ہیں۔ یورپ کے لوگ، سپین سے زمینی رابطے کی وجہ سے آسانی سے چل کر ہسپانیہ آتے، یہاں سے سائنسی علوم حاصل کرتے اور جا کر اپنے ہاں یہ علوم دوسروں کو سکھاتے تھے۔ ان دونوں مذکورہ اشخاص کے اعلان کے باوجود اہل مغرب نے اسی بات کی رٹ لگا رکھی ہے کہ راجر بیکن اور فرانسس بیکن نے مغرب میں سائنسی طریق کار متعارف کروایا۔ اسی طرح "روشنی" کے شعبے مین انعطاف نور اور انعکاس نور کے اصول، ابن الہیثم کے وضع کردہ ہیں۔ اس نے ان دونوں شعبوں میں تجربات کیے اور ان کے اصول مرتب کیے لیکن اہل مغرب نے یہ کارنامہ SNELL کے نام منسوب کر دیا۔ نظریہ دوران خون بھی مسلمانوں کی دریافت ہے لیکن یہ بھی ولیم ہاروے کے ساتھ منسوب کر دیا گیا، اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔[14]

استخفافِ حدیث پر نقد

اس سلسلے میں مغرب کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا کہ حدیث نبوی مسلمانوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور یہی انھیں ترقی میں آگے نہیں جانے دے رہی، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حدیث نبوی کو درمیان میں سے نکال کر اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کریں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس بات کی تفصیل بیان کی ہے کہ مسلمان ممالک میں یہ نظریہ کس طرح مقبول ہوا اور کس طرح انکار حدیث کے رجحانات نے ترقی حاصل کی، ہر مسلمان ملک میں ایک اچھا خاصا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے ایسا اسلام تیار کر لیا جس میں حدیث نبوی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ انکار حجیت حدیث بھی ہوا اور اس سے بڑا خطرناک رجحان "استخفاف حدیث" پیدا ہوا ان لوگوں نے حدیث کی حجیت کا کھل کر انکار تو نہ کیا لیکن اس مکتب فکر کے حدیث کی حجیت کے بارے میں دلائل وہی ہیں جو منکرین حدیث کے ہیں۔ ظاہر ہے حدیث کے بغیر قرآن کے الفاظ تو محفوظ رہ جائیں گے لیکن اس کے معانی اور تشریحات ہر شخص اپنی مرضی سے کرنے لگے گا۔ حدیث کو غیر معتبر قرار دے کر قرآن کی آزادانہ تشریح کا رجحان پیدا ہوا اور اسلام کی اتنی تشریحات ہونے لگی ہیں جتنے اس نقطہ نگاہ کے حامل لوگ

[14] Dr. Saud, Islam and Evolution of Science, 20

ہیں اور یہی کچھ اہل مغرب چاہتے ہیں۔[15] حدیث کے بارے میں اس رویے کے رد عمل کے طور پر مسلمان علما نے حجیت حدیث کے موضوع پر کتب لکھیں، اگر ان کتابوں کا احصا کرنا چاہیں تو اس کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں موجود دلائل اور اسالیب پر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی جاچکی ہے۔ حجیت حدیث پر لکھے گئے تحریری ذخیرہ میں ہر طرح کے دلائل کے ساتھ یہ بات اظہر من الشمس کی جاچکی ہے کہ قرآن وحدیث نبوی لازم وملزوم ہیں۔ان کتابوں کی تعداد شاید سینکڑوں تک پہنچ جائے۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں: حجیت حدیث از مولانا محمد ادریس کاندھلوی انکار حدیث کے نتائج از مولانا محمد سرفراز خان صفدر، سنت کی آئینی حیثیت از مولانا مودودی، سنت خیر الانام از پیر محمد کرم شاہ، حفاظت حدیث از ڈاکٹر خالد علوی، السنۃ ومکانتھا التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات از ڈاکٹر محمد اکرم ورک، اصول وتاریخ حدیث از مولانا محترم فہیم، بصائر السنۃ از ڈاکٹر سراج الاسلام ضیاء، مباحث علوم الحدیث از ڈاکٹر سراج الاسلام ضیاء، آئینہ پرویزیت از عبدالرحمٰن کیلانی، حجیت حدیث نمبر ماہنامہ محدث مرتب ڈاکٹر حسن مدنی۔

برصغیر کی تاریخ وتہذیب

اسلامی تہذیب وتاریخ پر مستشرقین کے پیدا کردہ اشکالات کا جن لوگوں نے جواب دیا ہے ان میں سے ایک سید صباح الدین عبدالرحمٰن ہیں انہوں نے ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کے عنوان سے دو حصوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے واقعاتی شواہد کے ساتھ یہ بات واضح کی ہے کہ مسلمان حملہ آور ہندوستان میں بلاجواز نہیں آئے اور ہندوستان پر قبضے کے بعد انھوں نے اسلام کے آنے کے اس مقصد کی تکمیل ہی کی ہے کہ انسانوں کو انسانوں کے ظالمانہ قوانین سے نجات دلائی جائے اور انہیں اللہ کی بہت بڑی نعمت یعنی آزادی سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔ اسی مصنف کی ایک اور کتاب "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک" بھی مستشرقین کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے ازالے کا بہترین جواب شمار کی جاسکتی ہے۔اول الذکر کتاب کے پہلے حصے میں مصنف نے مسلمان حملہ آوروں کے حملوں کے مقاصد اور ان کے انداز حکومت اور غیر مسلم عوام کے ساتھ رواداری پر مبنی رویے کی مثالیں پیش کی ہیں، یہ تمام مثالیں تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ محض ذاتی خیالات اور تبصرے نہیں ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ مسلمان حملہ آوروں نے بے شک جنگیں کیں لیکن یہ غارت گری کی جنگیں نہ تھیں، لوگوں کو ہلاک کرنا، زمینوں اور فصلوں کو تباہ کرنا مقصد نہ تھا، آج کی جنگوں سے ان جنگوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا جہاں چند سیکنڈ میں تباہی پھیل جاتی ہے۔ مسلمانوں نے فتح کے بعد مختلف عہدوں پر مقامی لوگوں کو قائم رکھا، مقامی لوگوں سے نہ اختیار چھینے، نہ

---

[15] ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1976ء)، 260تا269۔

ان کی مذہبی وسیاسی آزادیاں چھینیں، انہیں عزت وآبرو سے زندگی گزارنے کے مواقع دیئے۔[16] اس کے بعد مصنف نے محمد بن قاسم کے فیاضانہ سلوک کا ذکر کیا ہے۔[17] اسی کتاب کے صفحہ 34 سے 39 تک محمد بن قاسم کے نظام اور رعایا کے ساتھ تعلقات پر تبصرے نقل کیے ہیں جن میں مختلف فضلاء نے تسلیم کیا کہ محمد بن قاسم نے کہیں بھی کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ مکمل آزادی دی اس کے بعد محمود غزنوی کے حملوں اور عوام کے ساتھ اس کے رویے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کی رواداری کا ذکر مذکورہ بالا کتاب کے پہلے حصے کے صفحہ 46 سے آگے کیا ہے۔کتاب کے صفحہ 150 اور آئندہ صفحات میں کتاب ہسٹری آف میڈیول انڈیا جلد سوم کے حوالے سے تبصرہ نقل کرکے واضح کیا ہے کہ عوام سے اس کا رویہ انتقامی نہ تھا۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کے صفحات 50 تا 62 کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اس کتاب کے مصنف نے البیرونی کی بے تعصبی کی تفصیلات دی ہیں کہ وہ بھی ہندوؤں پر تنقید کی بجائے ان کی بہت سی غلط رسومات کا بھی مثبت طور پر جواز یا توجیہہ پیش کرتا ہے۔[18] اس کے بعد سلاطین دہلی کے عوام کے ساتھ رویے کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ بھی کبھی غیر مسلم رعایا کے بارے میں متشدد نہیں ہوئے، کتاب کے صفحہ 84 سے 147 تک اسی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔اس انداز کی کتابوں کی تعداد اچھی خاصی ہے جن میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ مسلمان حکمرانوں نے بہت ہی عادلانہ اور روادانہ سلوک کیا اور ان غیر مسلموں نے یہ اعتراف تاریخ کے متعدد مواقع پر کیا۔ڈاکٹر محمد امین نے اپنی کتاب مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل میں ایک طرف نہایت سہل اور قابل فہم انداز سے اسلامی تہذیب کی بنیادوں کا ذکر کیا ہے وہاں مغربی پروپیگنڈہ سے متاثر لوگوں کے ذہنوں میں گردش کرنے والے سوالات کا اطمینان بخش جواب بھی مہیا کیا ہے۔ اس کتاب کے عنوان کے ساتھ ہی مصنف اس کتاب کا مقصد بھی بیان کرتے ہیں کہ اس سوال کا جواب کہ نیو اور جیو ورلڈ آرڈر کی موجودگی میں عالم اسلام اور ملت اسلامیہ موجود ذلت اور پستی سے نکل کر ترقی وعروج سے کیسے ہمکنار ہو سکتی ہے۔کتاب کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں کہ ہم مسلم امہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں اور اس مایوسی کی وجہ سے ہمارے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ بظاہر مایوس کن حالات کے باوجود امید کی ایک کرن موجود ہے کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہے۔لکھتے ہیں کہ ہمارا رویہ مایوسی اور ناامیدی کی بجائے محتاط پرامیدی کا ہے اور دلائل کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم نشاۃ ثانیہ جو آج ایک خواب ہے اگر مسلمان چاہیں اور اس کے لیے صحیح سمت میں جدوجہد کریں تو یہ خواب کل حقیقت میں بدل سکتا ہے۔اس کتاب میں انہوں نے قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں اللہ کی سنت، مسلمانوں کا عروج، زوال اور نشاۃ ثانیہ کے

---

[16] سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری(اعظم گڑھ: مطبعہ معارف، س۔ن)، 19 تا 20۔

[17] سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، 20 تا 34۔

[18] سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، 60 تا 83۔

امکانات، مغرب کا عروج اور متوقع زوال اور مسلم نشاۃ کی اساس اور لائحہ عمل کے موضوعات چار ابواب کی شکل میں بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اسلامی تہذیب کے احیاء کے امکانات، اس کا لائحہ عمل، مشکلات کے موضوعات پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین نے اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، ایک تجزیہ ایک مطالعہ نام سے کتاب لکھی ہے، اس میں انھوں نے مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اعتراضات وغیرہ پر تو کوئی بات نہیں کی لیکن مغربی تہذیب کے بارے میں مسلمانوں کے رویوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں مغربی تہذیب کے بارے میں مسلمانوں کے ممکنہ رویے کے عنوان کے تحت تین رویوں کا ذکر کیا ہے: 1۔ مغربی تہذیب کو رد کردیا جائے۔ 2۔ مغربی تہذیب کو قبول کرلیا جائے۔ 3۔ مغربی تہذیب سے مفاہمت کرلی جائے۔ دوسرے حصہ میں مسلم معاشرے پر مغربی تہذیب کے اثرات، پاکستانی تناظر میں ان کا موضوع ہے۔ اس عنوان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: 1۔ مغربی تہذیب کے اثرات، اسباب ومظاہر۔ 2۔ مغربی تہذیب کے اثرات، مختلف شعبہ ہائے حیات میں۔ 3۔ کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں۔ ڈاکٹر محمد امین کا تجزیہ اور نقطہ نگاہ، کم وبیش مولانا ابوالحسن علی ندوی سے مماثل ہے کہ جہاں جہاں مغربی تہذیب میں کوئی مفید پہلو موجود ہے اور وہ اسلام کی بنیادی روح سے متصادم نہیں ہے تو اسے قبول کرلینے میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے۔

زیر نظر تناظر میں کام کرنے والے نمایاں علما اور ان کے افکار

ابوالحسن علی ندوی

اسلامی تہذیب وتاریخ کے بارے میں مستشرقین کے پیدا کردہ اشکالات کے حوالے سے جن مسلمان مفکرین کی تحریرات بڑی مؤثر ہیں، ان میں ایک مولانا ابوالحسن علی ندوی ہیں۔ آپ نے بڑا معقول اور حقیقت پسندانہ انداز اختیار کیا ہے، انھوں نے اس ذہنی پس منظر کا ذکر کیا ہے جس میں اہل مغرب، اسلام کی تنقیص اور مسلمانوں پر اعتراضات کرتے ہیں اگر اسلام کے بارے میں مستشرقین کے منفی انداز فکر کا رد ہی کردیا جائے تو بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ مولانا ندوی نے اس منفی انداز فکر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل مغرب اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس کے خلاف نفرت پھیلانے اور اس کی ایسی تصویر پیش کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں جو مسخ شدہ ہو۔ مولانا ندوی اہل مغرب کے نقطہ نگاہ کی بنیادوں کو مسمار کرتے ہوئے ان کی تحقیق کے مآخذ، ان کے اسلام کے بارے میں مخاصمانہ انداز فکر کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اہل مغرب جن مآخذ کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، تحقیق کے معیارات کے اعتبار سے ان مآخذ کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔ ان کے نقطہ نگاہ کی بنیادوں کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا انداز اور معیار تحقیق، عصر حاضر میں تحقیق کے مسلمہ معیارات پر ہی پورا نہیں اترتا۔ اس کے علاوہ مستشرقین جب کسی عام تاریخی موضوع پر بات کرتے ہیں تو ان کا معیار تحقیق واقعی قابل تعریف ہوتا ہے لیکن جونہی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی بات کرتے ہیں تو وہ ان تمام معیارات کو بھول جاتے ہیں اور ہر گری پڑی تحریر سے اپنے مطلب کے دلائل حاصل کرنے لگتے ہیں۔ ان کے دلائل کا معیار گر جاتا ہے، اس کے علاوہ اہل مغرب کی تحقیق کے نتائج اور معیارات میں

تضاد بھی پایا جاتا ہے۔[19] مولانا ندوی ایسے مفکر ہیں جن کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ مغرب کی جو باتیں مثبت ہیں، مسلمانوں کو ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور جو باتیں ان کے مذہب سے متصادم ہیں ان سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مسلمان، مغرب سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے۔ ان کے الفاظ میں سمندروں کے اندر جزیرے تو ہو سکتے ہیں لیکن زمین پر جزیرے نہیں ہو سکتے یعنی مسلمان اپنے آپ کو دنیا سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی انہیں ایسا کرنا چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو باقی دنیا سے الگ کیا اسی لیے وہ دنیا سے پیچھے رہ گئے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ مغرب سے مفید باتوں میں استفادہ کریں لیکن ان کی عسکری، سائنسی، صنعتی، علمی اور معاشی برتری اور غلبے کو اپنے اعصاب پر سوار کرکے مرعوب نہ ہوں بلکہ خود آگے بڑھنے کا ارادہ کریں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس سب سے بڑی دولت ان کے "ایمان کی قوت" ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اسی قوت کے ذریعے تمام مادی وسائل سے مالا مال اور برتر قوموں کا مقابلہ کیا ہے، انہیں اپنے اندر کی قوت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے پر ہی مولانا ندوی نے اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو مغرب کی مرعوبیت سے چھٹکارا پانے کے لیے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ بھی اپنے ہاں علم اور تحقیق کا وہ معیار پیدا کریں جو مغرب کے پاس ہے، انہیں چاہیے کہ وہ تحقیق کے شعبے میں اس معیار کے بنیادی ماخذ تیار کریں جن سے استفادے پر مسلمان مجبور ہیں اور انھی ماخذ کے معیار کو دیکھ کر وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا ندوی اس بات کو مسلمانوں کا المیہ قرار دیتے ہیں کہ ان میں مغرب سے مرعوبیت کا غلبہ ہو گیا ہے، مغرب کی طرف سے آنے والی کسی بھی بات کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ مسلمانوں نے مغرب کی نقالی میں خود اہل مغرب کو بھی حیرت میں ڈال دیا ہے کہ مسلمانوں کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کی کوششوں کا جواب اس تہذیب کو اختیار کرتے ہوئے اس سرعت کے ساتھ دیا ہے کہ مغرب والوں کو اس کی توقع نہ تھی۔ مولانا ندوی نے "مغرب سے صاف صاف باتیں" لکھ کر ان کی تہذیب کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔ امریکہ والوں سے صاف صاف باتیں بھی اسی طرح کی کتاب ہے، مولانا ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت لکھ کر مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلایا ہے کہ ان کی تاریخ عزیمت سے بھری پڑی ہے، یہ کتاب دراصل مسلمانوں کی عزیمت کا سبق یاد دلانے کے لیے لکھی گئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" میں اس پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ اہل مغرب اسلام کے بارے میں یہ تاثر بڑے شد و مد اور اپنے خیال میں بڑے دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے۔ اسلام کے آنے کے وقت حالات بڑے سادہ تھے، اب وقت گزرنے کے ساتھ اور سائنسی ترقی کے بعد لاتعداد ایسی تبدیلیاں آچکی ہیں کہ اب اسلام ان حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اہل مغرب نے مسلمانوں میں

[19] اس سلسلے میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی کے ترجمہ حدیث رسول کا تشریعی مقام صفحہ 70 سے آگے، حسین ہیکل کی حیاۃ محمد (اردو ترجمہ) علامہ شبلی کی سیرت النبی جلد اول 69 سے آگے کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

سے ایسے لوگ تلاش کیے جو مغرب کی بات مسلمان ہوتے ہوئے کرتے ہیں کہ اسلام کا ایک نیا ایڈیشن تیار کرنا چاہیے، اس نقطہ نگاہ کو مقبول بنانے میں وہ مسلمان ممالک میں سے ایک اچھی خاصی تعداد اپنی ہمنوا بنا چکے ہیں۔ بظاہر یہ بات ایک عام ذہن کے آدمی کو متاثر بھی کرتی ہے کہ واقعی نئے حالات کے مطابق نیا ایڈیشن بھی آنا چاہیے۔بدقسمتی سے اپنے دین کی حقیقت اور وسعت بلکہ دین اسلام کی حقیقی روح اور امتیاز کی سمجھ نہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں سے خصوصاً بظاہر تعلیم سے آراستہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

مولانا مودودی

مولانا مودودی نے واضح کیا کہ اسلامی تہذیب اپنی اصل کے اعتبار سے پہلی تہذیبوں سے بالکل الگ اور جداگانہ ہے، اس کی روح اور مزاج بھی مغربی تہذیبوں سے مختلف ہے۔ یہ ایک فطری اور تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور کے عادات واطوار اور بعض پہلو اپنے سے پہلے لوگوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں کیونکہ کوئی تہذیب آناً فاناً کہیں کسی مشین سے نکل کر تو نہیں آجاتی۔ مولانا تہذیب کو ایک عمارت سے تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک چیز عمارت کا نقشہ اور اس کا مخصوص طرز تعمیر ہوتا ہے، یہ چیز عمارت کی اصل اساس ہوتی ہے۔ دوسری چیز اس کا رنگ وروغن، اس کے نقش ونگار اس کی زینت وآرائش ہے، یہ ایک جزوی اور فروعی چیز ہے۔ جہاں تک اصل اور اساس کا تعلق ہے، اسلامی تہذیب کا محل مکمل طور پر اسلام کی اپنی تعمیر کا نتیجہ ہے، اس کا نقشہ اس کا اپنا ہے، اس مقصد کے لیے جو تعمیر ہوا اس میں کوئی بیرونی انجینئر نہ ترمیم کر سکتا ہے نہ اضافہ، بعض لوگوں نے دوسروں سے رنگ وروغن، نقش ونگار اور اس کی تزئین کے لیے سامان لے کر اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ دیکھنے والوں کو تو نمایاں نظر آئے کہ انھوں نے پوری عمارت کو دوسروں کی نقل قرار دے دیا۔[20] نبی کریم ﷺ نے تو اس رنگ وروغن میں بھی دوسروں سے مستعار لینے کی سختی سے ممانعت فرمادی کہ کوئی شخص دوسروں کی کسی بھی طرح مشابہت اختیار نہ کرے تاکہ کسی بھی طرح اسلام میں دوسروں سے مماثلت شامل نہ ہوسکے، آپ ﷺ نے فرمایا من تشبه بقوم فهو منهم [21] جس نے جس کسی کی مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہو گیا۔

مولانا مودودی کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کسی کے اعتراضات یا اشکالات کا رد، کسی کا نام لے کر نہیں کرتے بلکہ اسلامی تہذیب وتاریخ کو اس کی اصل روح کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس تمام تفصیل میں اسلامی نقطہ نگاہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اعتراضات کی حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے۔ اس انداز تحریر کا گویا دوہرا فائدہ ہوتا ہے مثلاً اسلام کے نظام حدود تعزیرات کا ذکر **سورۃ النور** میں ہے یہاں اسلامی حدود میں سے زنا، قذف اور لعان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تینوں جرائم کا باہم تعلق موجود ہے، تینوں کا تعلق عورت اور مرد کے ناجائز جنسی تعلق کے ساتھ ہے۔ مولانا مودودی

---

[20] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز 1975ء)، 8،7۔

[21] ابوداود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داود (بیروت: المکتبہ العصریۃ س-ن)، کتاب اللباس، باب فی لبث الشهرة، رقم الحدیث: 4031۔

نے اسلامی حدود پر دیگر مذاہب کے لوگوں کے اعتراضات کے رد میں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ سب سے پہلے اس جرم کی سنگینی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قدیم ترین تہذیبوں میں بھی اس کی سخت سے سخت سزا دی جاتی رہی ہے۔ کسی بھی دور میں اس جرم کی سنگینی سے آنکھیں بند نہیں کی گئیں، گویا زنا ایسا جرم ہے کہ اگر اس سے صرف نظر کیا جائے تو یہ باقی معاشرے کو بھی بدترین اخلاقی پستی کے طرف دھکیل دے گا، اس کے بعد مولانا مودودی مختلف تہذیبوں میں اس جرم کی سزاؤں کا ذکر کرتے ہیں اور ان سزاؤں کے افراط و تفریط کا شکار ہونے کے پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدود پر عمل درآمد کے بارے میں تمام پہلوؤں کی وضاحت اس انداز سے کرتے ہیں کہ پڑھے والے کے ذہن میں یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے کہ زانی کی سزا ایسی ہی ہونی چاہیے تھی۔ حدود کا نفاذ جن جرائم کی وجہ سے ہوتا ہے ان کے معاشرتی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے منفی اثرات کا ذکر کرکے واضح کرتے ہیں کہ اس فساد کے سد باب کے لیے اسی طرح کی سخت سزا ہونی چاہیے تھی۔ جدید دور کے کچھ لوگ اگر یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ یہ سزائیں ظالمانہ ہیں تو اس سلسلے میں مولانا مودودی اسلامی قانون کی وہ تمام شرائط بیان کرتے ہیں جو ان سزاؤں کے نفاذ کے لیے لازم کی گئی ہیں، ان شرائط کی تکمیل ہوگی تو اس بات کا امکان باقی نہیں رہتا کہ کسی کو سزا محض شبہ یا الزام پر دے دی جائے۔[22]

مولانا متین ہاشمی

مولانا متین ہاشمی نے اسلام کا نظام احتساب نام سے کتاب لکھی، اس میں انھوں نے کسی کے اعتراضات کا جواب دینے کی بجائے یہی انداز اختیار کیا ہے کہ کسی بھی جرم میں اسلام کی عائد کردہ سزا کا عقلی اعتبار سے جواز پیش کیا ہے اور پڑھنے والے کو عقلی طور پر اس پر قائل کر لیتے ہیں کہ اگر انسان عقلی اور فطری طور پر دیکھے کہ زنا کے معاملے میں انسانی غیرت کارفرما ہوتی ہے۔ کوئی شخص اپنی کسی عزیزہ کو کسی غیر مرد کے اتھ اس حالت میں دیکھے تو اس کے دل میں جو فوری رد عمل ہوگا کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی ذلت محسوس کرے گا، اس کے دل میں انتہائی غصہ اور اشتعال پیدا ہوگا جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔ اس کے دل میں سب سے پہلا رد عمل یہ ہوگا اپنی اور اپنے خاندان کی بے عزتی کا بدلہ اس طرح لے گا کہ اس شخص کو اس موقع پر ہی ہلاک کردے۔ یہ کام وہ خود ہی کر ڈالے لیکن اگر وہ ایسا کر گزرتا ہے تو اس سے اس بات کا امکان بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی مرد اور عورت کو اپنی دشمنی کی بھینٹ چڑھا دے، کسی ذاتی دشمنی کا بدلہ، اسی جرم کی آڑ میں لے لے حالانکہ جرم سرزد نہ ہوا ہو۔ اس طرح اگر خود ذاتی سطح پر ہی یوں بدلہ لینے کا سلسلہ چل پڑے تو قتل وغارت گری کا سلسلہ چل پڑے، اس طرح قتل ہونے والے کے خاندان کے لوگ، زنا کی سزا کے طور پر قتل کرنے والے کو قتل کردیں۔ اس سے معاشرتی امن ختم ہوگا، قتل کرنے والا اپنے قتل کے جواز میں سرعام مجلس میں ایسی ایسی باتیں لوگوں کو بتائے گا کہ لوگوں میں ہیجان امیز جذبات جنم لیں گے، بے حیائی کی تشہیر ہوگی۔ گویا زنا ایسا قبیح فعل ہے کہ اس کے مرتکب شخص کے بارے میں عقل کا فیصلہ یہی ٹھہرتا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، تبھی

---

[22] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: ترجمان القرآن، 2005ء)، 2:313۔

متاثرہ خاندان کی دادرسی ہو سکے گی۔ شریعت نے اسی مقصد کے حصول کے لیے ایسا فطری طریقہ اختیار کیا کہ یہ مقصد یعنی زانی کو ختم کر دیا جائے کہ متاثرہ خاندان کی بے عزتی کا مداوا ہو جائے لیکن اس سے مزید وہ قباحتیں پیدا نہ ہونے پائیں جن کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ شریعت کسی فرد کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے طور پر کسی کو قتل کر ڈالے، اس کے لیے گواہی لازم ٹھہرائی گئی اور چونکہ اس جرم میں جیسے سزا دی جاتی ہے، سزا کی صورت میں اس کی اور اس خاندان کی بے عزتی بھی ہوتی ہے اس صورت میں یہ امکان بھی ہو سکتا تھا کہ چند لوگ مل کر کسی کے خلاف منصوبہ بنالیں اور سزا دلادیں، اس کے ازالے کے لیے گواہی کا ایک سخت معیار مقرر کیا گیا کہ آسانی سے کوئی سازش تیار نہ کی جائے۔ مولانا متین ہاشمی نے اسی طرح دیگر حدود اور سزاؤں پر کیے گئے اعتراضات کی عقلی توجیہہ کی ہے کہ یہ سزائیں ایسی ہی ہیں کہ انسان فطری طور پر جو کچھ سوچتا ہے اس جرم کی سزایوں ہونی چاہیے۔ آج کے دور میں جب ہم دیدہ دلیری سے کسی اخلاقی جرم کے ارتکاب واقعہ سنتے ہیں تو ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو سرعام پھانسی لگایا جائے، تبھی یہ جرم اور مجرم عبرت کا سبب بنے گا۔ شریعت بالکل ایسا ہی کرتی ہے کہ زنا کے مرتکب کو سرعام کوڑے مارے جائیں یا اسے سنگسار کیا جائے۔[23]

مغربی اہلِ علم و قلم کی جانب سے مذکورہ اعتراضات پر نقد

اوپر جو بحث کی گئی یہ تو مسلمانوں کی طرف سے مغربی اعتراضات کا رد تھا، اب آخر میں ایک نظر اس پہلو پر ڈالتے ہیں کہ خود اہلِ مغرب کا ان مغربی اعتراضات کے حوالے سے رویہ کیا رہا ہے؟ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مغربی اہلِ قلم کی طرف سے خود اہلِ مغرب کے مذکورہ نوعیت کے اعتراضات کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ تحریک استشراق کی ابتدائی صدیوں میں ان لوگوں نے محض جھوٹ کی بنیاد پر اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں الزام تراشیاں کیں تو کچھ ہی عرصہ بعد ان لوگوں کو مسلمانوں کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا تو انھیں معلوم ہوا کہ ہم تو اسلام کے بارے میں جو کچھ کہتے رہے وہ حقائق کے بالکل برعکس تھا۔ اب مستشرقین کی اگلی نسل نے اپنے سے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا کہ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ گویا اپنے ماضی میں جو کچھ انھوں نے کہا اسے غلط قرار دے دیا، اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً انھی میں سے بعض حقیقت پسند لوگوں کو توفیق نصیب ہوئی کہ وہ حقیقت کا اعتراف کریں، انھوں نے اپنے ہی ساتھیوں کی کاروائیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ تم نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔[24] اس کے ساتھ ہی ساتھ اگر کچھ لوگوں نے کہا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو انھی میں سے آرنلڈ جیسا بندہ پیدا ہوا اور اس نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا کہ اسلام کسی جبر یا لالچ یا تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔[25] اگر کسی نے کہا کہ نبی

---

[23] متین ہاشمی، اسلام کا نظام احتساب (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، س-ن)، 35تا37۔

[24] نجیب العقیقی، المستشرقون (الاردن: دار الفرقان، 2005ء)، 160۔

[25] ٹی ڈبلیو آرنلڈ، دعوت اسلام، مترجم شیخ عنایت اللہ (لاہور: محکمہ مذہبی امور پنجاب، 2004ء)، 25تا30، 283تا303۔

کریم ﷺ نے ذاتی مقاصد کے لیے اپنے آپ کو نبی ہونے کا اعلان کر دیا تو انھی میں سے بعض نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنے دعویٰ میں بالکل مخلص تھے[26]، کسی نے اسلام کے نظام اخلاق کو نامکمل قرار دیا تو انھی میں سے ایک بڑی تعداد اسلام کے نظام اخلاق پر رطب اللسان ہے۔[27] کچھ نے اگر مسلمانوں کو یونانیوں کا مقلد قرار دیا تو انھی میں رابرٹ بریفالٹ جیسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کی سائنسی خدمات کو یہاں تک تسلیم کیا کہ اگر مسلمان نہ ہوتے تو موجودہ سائنسی تہذیب ترقی کے جس بلند مقام پر ہے وہاں تک وہ کبھی بھی نہ پہنچ سکتی۔[28] ڈاکٹر اوسلر (OSLAR) نے مسلمانوں کو سائنس کی ترقی میں قدیم تہذیبوں اور جدید مغرب کے درمیان ایک پل کا کام کرنے والے قرار دیا۔ انہی میں گستاولی بان نے کھلے دل سے تسلیم کیا کہ مسلمانوں کے سائنس پر گراں قدر احسانات ہیں۔

خلاصۂ بحث

مغربی مفکرین کی ایک بڑی تعداد نے اسلامی تاریخ و تہذیب پر مختلف شبہات کا اظہار کیا ہے جس سے بعض مسلمانوں میں اسلامی تاریخ و تہذیب کے متعلق تشکیک نے جنم لیا اور اندیشہ تھا کہ یہ مسلمان اسلام سے متعلق بدگماں ہو کر اسلام سے دور نہ ہو جائیں۔ مغربی مفکرین کی طرف سے پیدا شدہ ان شبہات کے ازالے میں مسلم مفکرین نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلے میں بعض مسلم مفکرین نے تو اعتذاری انداز اختیار کیا جب کہ بعض نے مناظرانہ انداز اپنایا البتہ بعض مسلم مفکرین نے ان شبہات کے ازالے کے لیے تجزیاتی انداز اختیار کیا اور مثبت، علمی اور فکری جوابات تحریر کیے جس سے ایک طرف تو اہل مغرب کے ان شبہات کا انھی کی زبان میں رد کیا گیا جب کہ دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں سے بھی اسلامی تاریخ و تہذیب کے مطابق بدگمانی کا ازالہ کیا گیا۔

---

[26] گستاولی بان، تمدن عرب، مترجم: سید علی بلگرامی (آگرہ: مطبع مفید عام، 1918ء)، 178۔

William Muir, The Life of Mohammad (London: Smith Elder & Co.,1878),529.

Carlyle, On Hero and Heroship and The Heraic in History (London, nd), 100.

[27] Edward Gibben, The History of The Decline and Fall of the Roman Empire (New York: Harper and Brothers,1857),463.

[28] Robert Briffault, Making of Humanity (Lahore: Islamic Book Foundation,1980),5.